پوتے کی میراث

از مولوی محمد تقی عثمانی

اُستاذ دارُالعلوم، کراچی

ناشر

دارُالاشاعت

مولوی مُسافر خانہ، کراچی ۱

قیمت ——————— ۳/۷۵

مطبع: سعید ایچ قرآن محل کراچی

فہرست مضامین

پوتے کی میراث

سب سے پہلے دفعہ ۴ پر غور فرمائیے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اگر وراثت کے شروع ہونے سے پہلے مورث کے کسی لڑکے یا لڑکی
کی موت واقع ہو جائے تو ایسے لڑکے یا لڑکی کے بچوں کو (اگر کوئی ہوں)
بحصۂ رسدی وہی حصہ ملے گا جو اس لڑکے یا لڑکی کو (جیسی صورت ہو)
زندہ ہونے کی صورت میں ملتا۔

یہ مسئلہ "یتیم پوتے کی میراث" کے نام سے مشہور ہے، منکرین حدیث نے اسے کئی بار اٹھایا اور عائلی قوانین کے نفاذ سے بہت پہلے علماء نے اس پر سیر حاصل بحث کر کے اسے اس قدر نکھار دیا تھا کہ اس کے بعد کسی بھی حق پسند اور سلیم الفکر انسان کو اس میں شبہ پیدا نہ ہونا چاہئے تھا، مگر افسوس

ہے کہ اس کی طرف کوئی توجہ دیئے بغیر ایک صریح خلافِ شریعت حکم کو قانونی حیثیت دیدی گئی،

اس قانون میں مندرجہ ذیل شرعی دلائل کی کھلی مخالفت کی گئی ہے:۔

(۱) صحیح بخاری میں اس مضمون کا ایک مستقل باب رکھا ہے باب میراث الابن اذا لم یکن ابنٌ اور اس میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ نقل کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :۔

ولا یرث ولد الابن مع الابن بیٹوں کی موجودگی میں پوتا وارث نہیں ہوسکتا۔

واضح رہے کہ یہ زید بن ثابت رضؓ وہ صحابی ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد آپ ہر جمعہ کے خطبے میں سنتے ہیں کہ :۔

وأفرضهم زید بن ثابت رضؓ صحابہ رضؓ میں فرائض (علم میراث) کے سب سے بڑے عالم زید بن ثابتؓ ہیں

(۲) علامہ عینی رحؒ اور علامہ ابو بکر جصاص رازی رحؒ نے اس پر تمام صحابہ رضؓ اور علماء کا اجماع نقل کیا ہے (عمدۃ القاری ص ۲۳۸ ج ۲۳ واحکام القرآن ص ۱۰۱ ج ۲) صحابۂ کرام رضؓ اور تمام علماء امت کا اجماع اتنی مضبوط دلیل ہے کہ کم از کم کسی مسلمان کو اس کے خلاف کہنے کی جراءت[۱] نہیں ہوسکتی۔

آخر اس بات سے کیسے صرفِ نظر کر لیا گیا کہ اگر فی الواقعہ قرآن کا کوئی ایسا منشاء ہوتا کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کی مدد دادا اور نانا کی میراث میں ان کو حصہ دار بنا کر کی جانی چاہیئے تو قرآن نے اپنے اس منشاء کو کسی

---

[۱] اجماع کی حجیت کے دلائل اس سے پہلے باب میں گزر چکے ہیں ۱۲ مؤلف

صاف حکم کے ذریعہ کیوں نہیں کھول دیا؟ اور اگر قرآن نے نہ کھولا تھا تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے تو یہ منشار پوشیدہ نہ رہنا چاہیئے تھا، آپؐ نے ایسا حکم کیوں نہیں دیا؟ اور اگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے نہ کھولا تھا تو آخر کیا وجہ ہے کہ قرآنِ کریم کا یہ منشار تمام خلفاء سے، تمام صحابہ سے، تمام مجتہدین سے اور پچھلی تیرہ صدیوں کے تمام فقہاءِ اُمّت سے نہ صرف یہ کہ مخفی رہ گیا، بلکہ وہ اس کی مخالفت پر متفق و مجتمع رہے، اور اس کو پایا تو چودھویں صدی کے چند اُن لوگوں نے جن کی پوری عمر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو جھٹلاتے اور مغرب کی طرف سے آئی ہوئی ہر وبا کا بڑی گرمجوشی سے استقبال کرتے گزری ہے،

(۳) قرآنِ کریم میں سورۂ نساء کی چھٹی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :-

للرّجال نصیب مما ترك الوالدان والأقربون وللنساء نصیبٌ مِمّا ترك الوالدان والاقربون	مردوں کو حصہ ملے گا اس مال میں سے جو والدین نے اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہے اور عورتوں کو بھی حصہ ملے گا اُس مال میں سے جو والدین اور قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کے دو بنیادی اصول بیان فرمادیئے ہیں، ایک یہ کہ وراثت کی تقسیم فقر وافلاس اور حاجتمندی کے

معیار پر نہیں بلکہ قرابت اور رشتہ داری کے معیار پر ہے یعنی تقسیم وراثت کے وقت یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کون زیادہ مفلس یا حاجتمند ہے؟ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ مرنے والے سے کون قریبی رشتہ رکھتا ہے؟ دوسرے یہ کہ جہاں تک نفس قرابت کا تعلق ہے وہ تو تمام آدمؑ کے بیٹوں میں مشترک ہے اس لئے اصول یہ بتلایا کہ قرابت میں بھی "اقربون" کا اعتبار کیا جائے گا اور اقرب کے ہوتے ہوئے ابعد کو محروم کیا جائے گا،

زیر بحث مسئلے میں میت کا قریبی رشتہ دار یعنی صلبی بیٹا موجود ہے لہذا مذکورۂ بالا اصول سے بعید رشتہ دار یعنی پوتا محروم ہوگا،

(۴) صحیح بخاری میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد متعدد جگہوں پر صحیح سند کے ساتھ موجود ہے :-

الحقوا الفرائض باھلھا	قرآن کریم نے جن کے جو حصے مقرر کر دیئے ہیں
فما بقی فھو لاولی رجلٍ ذکر	انہیں وہ حصے دیکر جو بچ رہے وہ قریب ترین مذکر رشتہ دار کو دیدو،

اس میں بھی قرابت کو تقسیم وراثت کا معیار قرار دیا گیا ہے، جس کی بنا پر قریبی بیٹے کے ہوتے ہوئے بعید یعنی پوتا محروم ہوگا،

(۵) اس کے علاوہ قرآن کریم مورث کے ترکے میں صرف ان رشتہ داروں کو میراث دلواتا ہے جو مورث کی وفات کے وقت زندہ موجود ہوں لیکن آرڈی ننس کی یہ دفعہ بعض ان رشتہ داروں کو حصہ دلواتی ہے

جو مورث کی زندگی میں وفات پا چکے ہوں (یعنی میت کا بیٹا یا بیٹی) اس آرڈی ننس کی رو سے پہلے یہ فرض کیا جائے گا کہ وہ وفات یافتہ رشتہ دار مورث کی وفات کے وقت زندہ ہیں اور اس مفروضے کی بنا پر واقعی زندہ رشتہ داروں کی طرح ان کا حصہ بھی نکالا جائیگا، پھران کا حصہ نکالتے ہی انھیں مردہ تسلیم کر لیا جائے گا اور آگے ان کے بیٹوں میں یا بیٹیوں میں وہ حصہ تقسیم کیا جائے گا، سوال یہ ہے کہ تقسیم وراثت کا یہ طفلانہ انداز قرآن کریم، سنتِ رسول ؐ یا آثار صحابہ کس فیصلے سے لیا گیا ہے؟ اور اگر یہ آنکھ مچولی کرنی ہی ہے تو پھر بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ دوسرے وہ ورثا جو میت کی زندگی میں وفات پا چکے ہیں انہیں زندہ تصور کر کے ان کے حصے کیوں نہیں نکالے جاتے؟ انھوں نے کیا قصور کیا ہے؟ پھر بیٹوں اور بیٹیوں میں سے بھی صرف صاحبِ اولاد اشخاص کے حصے نکالے جاتے ہیں، میّت کی جو اولاد میت کی زندگی میں لاولد مر گئی ہے اس کے حصے اسے زندہ تصوّر کر کے کیوں نہیں نکالے جاتے؟ صاحبِ اولاد اور لاولد بیٹوں میں اس تفریق کی کیا معقول دلیل ہے؟

علاوہ ازیں اس آرڈی ننس میں فوت شدہ بیٹے کی اولاد ہی کو حصہ دیا گیا ہے، حالانکہ اگر اسے زندہ تصور کیا ہی گیا ہے تو اس صورت میں اس کے دیگر رشتہ دار بیوی اور ماں وغیرہ کو بھی حصہ ملنا چاہیئے انہیں اس کے ترکہ سے کیوں حصہ نہیں دلوایا جاتا؟ فوت شدہ بیٹے

کی صرف اولاد ہی کو اس کے ترکہ کا مستحق کیوں قرار دیا گیا ہے؟ دوسرے وارثوں کو محروم کیوں کر دیا گیا؟

غرض عائلی قانون کی اس دفعہ پر یہ ایسے اصولی اعتراضات وارد ہوتے ہیں جن سے کسی طرح مفر ممکن نہیں اور ان کے بعد یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس دفعہ کو دین و دانش کے کونسے خانے میں فٹ کیا جائے؟

یتیموں کی حق تلفی

ہمارے واضعین قانون کے سامنے بس تصویر کا ایک ہی رُخ آیا ہے، اور وہ یہ کہ اسلام ہی دنیا کا وہ عظیم ترین مذہب ہے جس نے یتیموں کی خبرگیری اور پرورش پر اس قدر زور دیا ہے کہ کسی مذہب میں بمشکل ہی اس کی نظیر مل سکے گی، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ باپ کے سایہ سے محروم ہو جانے کے بعد دادا کے سایہ سے محروم ہو جانے پر اسے دادا کے ترکہ سے محروم کر دے؟

لیکن اس دلیل کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ہر وہ رشتہ دار مستحق وراثت ہے جو بیکس غریب اور بے سہارا ہو اور تقسیم وراثت غربت و افلاس کی بنیاد پر کی جاتی ہے، اگر یہ بات صحیح نہ مانی جائے تو یہ دلیل صحیح نہیں بنتی، لیکن اگر اسے درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یتیم بھانجا، بھانجی، یتیم بھتیجا، بھتیجی، بیوہ خالہ اور پھوپی، غریب ماموں اور چچا کو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ حصہ ملے، اور یہ کہ

تقسیم وراثت کے وقت یہ دیکھا جائے کہ کون زیادہ غریب اور مفلس ہے؟ جو عزیز زیادہ مفلس اور بیکس معلوم ہو اسے سب سے زیادہ حصہ دیا جائے خواہ وہ کتنی ہی دور کا کیوں نہ ہو، بھانجا اگر یتیم، مفلس اور بیکس ہے تو اُسے سب سے زیادہ حصہ ملے اور بیٹا اگر دولت مند ہے تو اسے کچھ بھی نہ ملے، بلکہ اگر سبھی عزیز دولت مند ہیں اور پڑوسی غریب اور بے سہارا ہیں تو تمام رشتہ داروں کو محروم کر دیجئے اور پورا مالِ وراثت پڑوسیوں میں تقسیم فرما دیجئے، انہیں کیوں بھیک کے ٹکڑوں پہ پلنے دیا جائے؟

اگر آپ یہ تمام باتیں تسلیم کرنے کو تیار ہیں تو آپ کو حق ہے، شوق سے یتیم پوتے کو میراث دلوائیے بلکہ سب سے زیادہ دلوائیے لیکن اگر آپ کو یہ باتیں ماننے میں پس و پیش ہے تو ہمیں یہ پوچھنے دیجئے کہ اسلام تو تمام مذاہب میں سب سے زیادہ یتیموں اور بیکسوں کا حامی ہے، پھر وہ اس بات کی کیسے اجازت دے سکتا ہے کہ ایک لڑکا جس کا باپ مر گیا ہو اور وہ اب اپنے چچا کے سایہ سے بھی محروم ہو رہا ہو اسے چچا کے ترکہ سے بھی محروم کر دیا جائے، اس کے چچا کی تمام دولت اس کے چچیرے بھائی لے اڑیں اور وہ ان کا منہ دیکھتا رہ جائے، اسلام نے ہی بیواؤں کی مدد کا حکم دیا ہے اور ان کی اعانت کی جا بجا ترغیب دی ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ یہ حکم بھی دے کہ ایک غریب عورت جس کا شوہر مر گیا ہو اور اب اس کا بھانجہ یا

بھتیجا بھی مرنے لگے تو اسے اس کے ترکہ سے بھی محروم کردو اور کوچہ و بازار میں بھیک مانگنے دو، اسلام ہی نے پڑوسیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کو فرض قرار دیا ہے پھر وہ یہ حکم کیسے دے سکتا ہے کہ انہیں میراث سے محروم کردو خواہ وہ کتنے ہی غریب اور بیکس کیوں نہ ہوں،

اگر آپ غربت کو استحقاق وراثت کا معیار ٹھہراتے ہیں تو اس بے انصافی کا آخر کیا جواز آپ کے پاس ہے کہ یتیم پوتا تو اس قدر قابلِ رحم قرار پائے کہ اُسے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر میراث دلوائیں اور اتنے سارے قابلِ رحم لوگوں کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے ایک طرف تو یہ شور اشوری کہ یتیم پوتا بیچارا بیکس ہے اسے میراث میں ضرور حصّہ دلواؤ، اور دوسری طرف یہ بے نمکی کہ ان کے علاوہ جتنے بیکس اور غریب ہیں انہیں بھیک مانگنے دو ع

ناطقہ سر بہ گریباں کہ اسے کیا کہئے

اسلام کا نظامِ وراثت

یہ تو تھا واضعینِ قانون کی دلیل کا ایک جواب، اب علمی انداز میں مسئلہ کی حقیقت سمجھئے کہ اسلام کے نزدیک استحقاقِ وراثت کا معیار کیا ہے اور کیوں؟

اصل میں اسلام نے وراثت کی تقسیم اس معیار پر قرار ہی نہیں دی کہ کون غریب اور بیکس ہے اور کون امیر؟ اگر ایسا ہوتا تو وراثت کی تقسیم ناممکن ہوجاتی، حصّۂ رسدی کی مقداریں متعین کرنا دوبھر ہوجاتا اور کوئی قانون اس سلسلے میں کارگر نہ ہوسکتا، اس کو یوں سمجھئے کہ اگر غربت و

افلاس اور بیکسی استحقاقِ وراثت کا معیار ہوتی تو ہونا یہ چاہیئے تھا کہ جو زیادہ غریب اور بیکس ہے اُسے سب سے زیادہ حصّہ ملتا، جو اس سے کم ہے اُسے اس سے کم، اس صورت میں اوّل تو اس غربت کی حدود متعین کرنے میں لڑائی جھگڑے ہوتے کوئی کہتا کہ میں زیادہ غریب اور بیکس ہوں، دوسرا کہتا کہ نہیں صاحب میں زیادہ مفلس ہوں، یا تو ہر تقسیم وراثت کے موقعہ پر حکومت دخل اندازی کر کے فیصلے کرتی یا عزیزوں کے درمیان سر پھٹوّل ہوتی، پھر اگر یہ معاملہ بھی نبٹ جاتا تو غربت کی مناسبت سے حصوں کی تعیین ایک مستقل دردِ سری، غرضیکہ وراثت کی تقسیم ایک مستقل ناقابلِ حل مسئلہ (Problem) بن جاتی اور دنیا میں وراثت کی تقسیم کبھی صلح و صفائی اور عدل و انصاف کیساتھ نہ ہو سکتی، اور پھر اگر شریعت کو یہی منظور تھا کہ مالِ وراثت سے یتیموں، بیکسوں اور ناداروں کی مدد کی جائے تو اُسے اتنے لمبے چوڑے حسابات متعین کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ سیدھے سادے طریقے سے یہ حکم دیدیتی کہ تمام مالِ وراثت بیت المال میں داخل کردو، وہاں سے ہر بیکس اور نادار تک اس کا حصّہ پہونچ جائیگا،

مگر قدرت نے ایسا نہیں کیا، اس لئے کہ درحقیقت مالِ وراثت میت کے ان رشتہ داروں کا حق ہے جو اس کی زندگی میں اس کی ہر مصیبت میں مدد کرتے رہے اور آڑے وقت پر کام آئے، اس لئے اس نے یہ معیار مقرر کردیا کہ یہ مال عزیزوں میں تقسیم ہوگا، مندرجہ

ذیل آیت اس بات پر ایک بڑی واضح دلیل ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا
کہ: واذا حضر القسمۃ اولوا القربیٰ والیتامیٰ والمساکین فارزقوھم
منہ وقولوا لھم قولاً معروفا (النساء) یعنی اگر تقسیم وراثت کے وقت
(دوسرے) رشتہ دار اور یتامیٰ اور مساکین آجائیں تو انہیں بھی میراث میں سے
(کچھ نہ کچھ وارثوں کی رضامندی سے دیدو اور ان سے اچھی بات کہو)

اس آیت میں تقسیم وراثت کے موقعہ پر اس بات کی ترغیب دی گئی ہے
کہ وہ رشتہ دار جو میراث کے حقدار نہیں اور یتامیٰ و مساکین انہیں بھی
کچھ نہ کچھ دیدیا جائے ظاہر ہے کہ یہاں پر ان " اولوا القربیٰ" یتامیٰ اور
مساکین کا ذکر ہے جو میراث کے مستحق نہیں ہوتے، اس لئے اس سے یہ
معلوم ہوا کہ قرآن کی نگاہ میں استحقاق وراثت کے لئے نہ صرف صاحب
قرابت" ہونا کافی ہے، اور نہ صرف یتیم یا مسکین ہونا، کیونکہ اگر صرف یہ باتیں
استحقاق وراثت کے لئے کافی ہوتیں تو قرآنِ کریم یتیموں، مسکینوں اور
صاحبانِ قرابت کو ان لوگوں کے درمیان ذکر نہ فرماتا جو وراثت کے مستحق
نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی نگاہ میں نہ صرف یتیم و بیکس ہونا
تقسیم وراثت کا معیار ہے اور نہ مطلق قرابت بلکہ اس کے نزدیک معیار
" اقربیت " یعنی قریب ترین ہونا ہے، جیسا کہ اس سے پہلی آیت مما ترک
الوالدان والاقربون سے معلوم ہوتا ہے۔

رشتہ داروں کی دو قسمیں

پھر ان رشتہ داروں کی بھی شریعت نے دو قسمیں کردیں، ایک تو وہ

جنہیں اصطلاحِ شریعت میں "ذوی الفروض" کہا جاتا ہے، ان رشتہ داروں کے حصّے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے خود مقرر فرما دیئے کہ کس کو کتنا ملے گا؟، حصّوں کی اس تعیین میں بھی قریب اور بعید کا فرق موجود ہے مگر ملتا سب کو ہے محروم کوئی نہیں رہتا، رہا یہ کہ قرب و بعد کا معیار اس میں کیا ہے؟ سو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں فرما دیا کہ:-

اٰباؤکم و ابناؤکم لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعًا (نساء) — تمہارے باپ بیٹوں میں نفع کے اعتبار سے تم سے کون زیادہ قریب ہے؟ تم نہیں جانتے۔

دوسری قسم اُن وُرثار کی رکھی جنہیں اصطلاح میں "عصبات" کہتے ہیں، ان کی ایک مستقل فہرست ہے اور ان کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر "ذوی الفروض" کو حصّے دیکر کچھ بچ رہے تو انہیں دیا جائے اور چونکہ یہ سلسلۂ "عصبات" نسلاً بعد نسلٍ دور تک چلتا ہے اس لئے ناگزیر تھا کہ یہ ضابطہ بنایا جائے کہ قریب کی وجہ سے بعید محروم ہوگا، چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بالکل واضح انداز میں اس ضابطہ کی تشریح بہ الفاظ ذیل فرمائی:-

الحقوا الفرائض باھلھا فما بقی فھو لاولی رجلٍ ذکرٍ (بخاری) — ذوی الفروض کے حصّے انہیں دیدو، پھر جو کچھ بچ رہے وہ سب سے قریبی مذکر کا ہوگا۔

جب اسلام کا یہ اصولِ وراثت سمجھ میں آگیا تو اب سیدھی سی بات ہے کہ ایک شخص مرتا ہے اور اس کے صُلبی بیٹے موجود ہیں تو پوتا محروم

ہوگا خواہ وہ یتیم ہو یا نہ ہو اس لئے کہ بیٹا اور پوتا دونوں "عصبات" میں داخل میں اور ان میں یہ قانون ہے کہ قریب کی وجہ سے بعید محروم ہوجاتا ہے، یہی حال یتیم بھانجا، بھانجی اور یتیم بھتیجا بھتیجی کا ہے۔

رہ گئی یہ جذباتی بات کہ وہ یتیم اور بے کس ہیں تو ان کا کیا ہوگا تو آخر یہ کیسے سمجھ لیا گیا کہ اسلام نے انہیں وارث قرار نہیں دیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس نے ان کی امداد سے منع کر دیا کیونکہ ظاہر ہے کہ کسی نادار شخص کی امداد کا طریقہ یہ نہیں کہ دوسروں کی جیب پر ڈاکہ ڈالا جائے بلکہ شریعت نے اس کا مستقل نظام رکھا ہے، ان کی ضروریات کی پوری ذمہ داری جب تک کہ وہ کمانے کے اہل نہ ہو جائیں، خاص خاص عزیزوں پر رکھی گئی ہے جس کی تفصیل کتب فقہ کی "کتابُ النفقات" میں دیکھی جاسکتی ہے، اگر فقہِ اسلامی کی کتابُ النفقات ہی کا قانون نافذ کر دیا جائے تو نہ صرف ایک یتیم پوتے کی مشکلات ختم ہو جاتی ہیں بلکہ پورے خاندان کے ستم رسیدہ افراد کی زندگی بن جاتی ہے، ـــــ ظاہر ہے کہ صرف میراث کے بل بوتے پر کوئی غریب امیر نہیں ہو جاتا اسلئے اسلام نے ان کی حاجت روائی دوسرے طریقوں سے کی ہے کہ خاندان کے بیکس افراد کا نفقہ خاص خاص عزیزوں کے ذمہ کیا ہے، اُدھر دادا کو یہ حق دیا ہے کہ وہ مرنے سے پہلے ایک تہائی مال تک کی وصیت پوتے کے لئے کر سکتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے استحقاقِ وراثت کا معیار مفلسی اور

بے کسی کو قرار نہیں دیا، بیکسوں اور یتیموں کی پرورش اور خبر گیری سے متعلق اس کا ایک مستقل نظام ہے، اس لئے یہ دلیل اصولی اعتبار سے انتہائی کمزور ہے اور شریعتِ اسلام کے مزاج سے ناواقفیت کا ایک کُھلا ثبوت،

ذرا یہ تو دیکھئے اب ذرا اِس رُخ سے غور فرمائیے کہ اگر "یتیم پوتے کی وراثت" کا یہ قانون نافذ کر دیا جائے تو اُس کی رُو سے کیسے کیسے لطیفے سامنے آئیں گے؟

ایک شخص ایک بیٹی اور ایک پوتی چھوڑ کر مرتا ہے، تو قرآن و سنت کی رُو سے تو یہ ہونا چاہیئے کہ آدھا حصہ بیٹی کو ملے اور چھٹا حصہ پوتی کو، باقی عصبات کو، مگر اس دفعہ کی رُو سے یہ تماشا سامنے آئے گا کہ تین میں سے[1] دو حصے تو پوتی کو ملیں گے اور صرف ایک حصہ بیٹی کو

یا للعجب ـــــــ !!!

ذرا غور فرمائیے کہ یہاں پوتی کو دو حصے دئیے گئے ہیں، محض اس کے یتیم ہونے پر رحم کھا کر اور صُلبی بیٹی کو صرف ایک حصہ، گویا واضعین قانون کی نظر میں صرف وہ یتیم قابلِ رحم ہے جو یتیم ہونے کے ساتھ پوتا یا پوتی بھی ہو، اور اگر کوئی یتیم بیٹا یا بیٹی ہے تو وہ اتنا قابلِ رحم نہیں لہٰذا اسے حصہ بھی وہ کم دیتے ہیں، اِس حقیقت سے بالکل آنکھیں بند کر کے

---

[1] اس لئے کہ اس دفعہ میں تصریح ہے کہ پوتا پوتی کو وہی حصہ ملے گا جو اُن کے وفات یافتہ باپ کو ملتا اگر وہ زندہ ہوتا،

کہ پوتی کو یتیم ہوئے تو عرصہ گزر چکا، مرورِ ایام نے اس کی اشک شوئی کر دی ہے، اور یہ بے چاری صُلبی بیٹی تو ابھی ابھی یتیم ہوئی ہے، اس کے زخم ابھی ہرے ہیں، پھر پوتی کو تو اپنے وفات یافتہ باپ کی میراث بھی مل چکی ہے، اس بے چاری کو تو وہ بھی نہیں ملی، اور اگر یہ بھی فرض کر لیں کہ وہ پوتی کی بہ نسبت زیادہ مفلس اور غریب ہے، ساتھ ہی میت کے ساتھ اس کا تعلق بہ نسبت پوتی کے بہت زیادہ قریب ہے تو ان تمام چیزوں کا تقاضا تو یہ ہے کہ اُسے پوتی سے کہیں زیادہ حصہ ملے، مگر ان تمام باتوں کے باوجود یہ قانون اُسے صرف اس "جرم" میں کم حصہ دیتا ہے کہ وہ بیٹی کیوں ہے؟ پوتی کیوں نہیں؟ خدارا بتلائیے کہ یہ آخر کہاں کا انصاف ہے؟ اور کونسی عقل و شریعت اسے گوارا کر سکتی ہے؟

دوسری عجیب دلیل

اس کے علاوہ بعض حضرات نے یتیم پوتے کے وارث ہونے پر ایک اور عجیب و غریب دلیل پیش کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے:

یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین	اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں یہ وصیت فرماتا ہے کہ ان میں سے لڑکے کو دو لڑکیوں کی برابر حصہ ملیگا۔

اس میں لڑکوں کے لئے لفظ "اولاد" استعمال کیا گیا ہے جو صلبی بیٹوں اور پوتوں دونوں کو شامل ہے،

ہمیں حیرت ہے کہ یہ دلیل پیش کرتے وقت انہیں یہ خیال بھی

نہ آیا کہ اگر ان کی اس نحو بات کو تسلیم کر بھی لیا جائے (کہ پوتا "بیٹوں" میں داخل ہے) تو اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ پوتے کو اس کے باپ کی موجودگی میں بھی میراث ملا کرے، ظاہر ہے کہ اگر پوتوں کو اولاد کے تحت حقیقۃً داخل مان لیا جائے تو اس معاملہ میں یتیم پوتا اور باپ والا پوتا دونوں برابر ہوں گے، دونوں کو میراث ملنی چاہیئے، حالانکہ اس بات کو ہمارے وہ "مجتہدینَ" بھی تسلیم نہیں کرتے جو یتیم پوتے کو وارث مانتے ہیں، انہیں تو صرف یتیم پوتے پر ہی بے تحاشا رحم آیا ہے، جس پوتے کا باپ موجود ہے وہ ان کے نزدیک بھی محروم ہے

حقیقت یہ ہے کہ "ولد" کے دو معنی ہیں، ایک حقیقی اور ایک مجازی، حقیقی معنےٰ صرف بیٹے کے ہیں، اور مجازی معنیٰ پوتے کو بھی شامل ہیں، جب آیت میں "اولاد" سے مراد اس کے حقیقی معنیٰ یعنی "بیٹے" لیلئے گئے تو اب مجازی معنیٰ مراد نہیں ہو سکتے، کیونکہ یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ ایک لفظ سے ایک وقت میں اور ایک ہی حالت میں دو مختلف حقیقی اور مجازی معنیٰ نہیں لئے جا سکتے، ایسا تو ہو سکتا ہے کہ لفظ ایک ہی ہو مگر ایک وقت میں اس سے مراد اس کے ایک حقیقی معنیٰ ہوں اور دوسرے وقت میں دوسرے مجازی، مثلاً قرآن کریم میں ہے ان اللّٰہ و ملٰئکتہٗ یصلّون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلّوا علیہ وسلموا تسلیما، اس میں لفظ "یصلّون" استعمال ہوا ہے جس کی نسبت اللّٰہ اور ملٰئکۃ دونوں کی طرف کی گئی ہے، جب اس کی نسبت اللّٰہ کی طرف

ہو رہی ہے تو اس لفظ سے مراد "رحمت نازل کرنا" ہے اور جب فرشتوں کی طرف ہوتی ہے تو اس سے مراد دعا و استغفار ہے، حالانکہ لفظ ایک ہی ہے اور ایک ہی مقام پر ہے، اسی طرح ہماری زیر بحث آیت (یوصیکم اللہ فی اولادکم) میں اولاد سے مراد ایک حالت میں تو اس کے حقیقی معنٰی یعنے صرف بیٹے ہیں، یعنی جب میت کے صلبی بیٹے موجود ہوں تو اس سے مراد اس کے حقیقی معنٰی یعنی صرف صلبی بیٹے لئے گئے

ــــہ یہ بات بھی بعض لوگوں کے حلق سے نیچے نہیں اترتی اس لئے اس کو ایک اردو کی مثال سے سمجھئے اردو کا ایک مشہور شعر ہے ــــہ

جام ہے توبہ شکن توبہ مری جام شکن
سامنے ڈھیر ہیں ٹوٹے ہوئے پیمانوں کے

اس میں "پیمانوں" کا لفظ استعمال ہوا ہے جو "وعدہ" اور "پیالوں" دونوں معنے میں بولا جاتا ہے مگر یہاں ایک ہی لفظ ایک ہی مقام پر مختلف حالتوں میں دونوں معنوں میں استعمال ہوا ہے، اسیطرح "ٹوٹنا" گلاس برتن وغیرہ کے لئے تو حقیقت ہے مگر وعدہ اور توبہ کے لئے مجاز ہے جب ہم کہتے ہیں کہ "توبہ ٹوٹ گئی" تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے مطابق عمل نہ ہوا، یہاں "ٹوٹے ہوئے پیمانوں" میں جب "پیمانوں" سے مراد جام اور پیالے لئے جائیں تو "ٹوٹے ہوئے" سے مراد اس کے حقیقی معنٰی ہوں گے اور جب "پیمانوں" سے مراد وعدے اور توبہ لیں گے تو "ٹوٹے ہوئے" کا لفظ مجازی معنٰی میں ہوگا، اس طرح حالتوں کے اختلاف سے حقیقی اور مجازی معنٰی جمع ہو جاتے ہیں، یہی صورت آیتِ مذکورہ میں ہے،
۱۲ مؤلف۔

ہیں اور جب صلبی بیٹے نہ ہوں تو اس حالت میں صرف مجازی معنیٰ یعنی پوتے، چنانچہ صلبی بیٹوں کی عدم موجودگی میں اسی آیت کے ذریعہ شریعت اسلام پوتوں کو میراث دیتی ہے، البتہ یہ ناممکن ہے کہ ایک ہی وقت اور ایک ہی حالت میں ایک ہی نسبت کے ساتھ ایک لفظ سے اس کے حقیقی اور مجازی دونوں معنے مراد لئے جائیں، اس کی کوئی مثال کسی بھی زبان میں نہیں ہے، اس لئے جب صلبی بیٹے موجود ہیں اور" اولاد" سے مراد ہم نے وہی لے لئے تو اب پوتے اس میں داخل نہ ہوں گے کیونکہ وہ " اولاد" میں مجازاً داخل ہیں، اور ہم نے یہاں حقیقی معنے مراد لے لئے ہیں،

کیا پوتا حقیقۃً ولد ہے؟

اس پر بعض حضرات نے یہ بے دلیل دعویٰ کر ڈالا کہ " پوتا" مجازاً " اولاد" میں داخل نہیں بلکہ حقیقۃً " اولاد" میں داخل ہے، لہٰذا یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم میں ایک ہی وقت کے اندر بیٹے اور پوتے دونوں مراد ہیں، کیونکہ بیٹا اور پوتا دونوں " اولاد" کے حقیقی معنیٰ ہی ہیں،

اوّل تو یہاں بھی ہم وہی بات کہیں گے کہ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے تو اس کا تقاضا تو یہ ہے کہ وہ پوتا بھی اس آیت کے تحت میراث پائے جس کا باپ ابھی زندہ موجود ہے، پھر آپ اسے بھی میراث دلوائیے، کیا صرف یتیم پوتا ہی " اولاد" کے حقیقی معنیٰ میں داخل

ہے اور جس پوتے کا باپ موجود ہو وہ " اولاد " میں حقیقۃً داخل نہیں ؟ اگر داخل ہے اور یقیناً ہے تو پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ آپ اس آیت کے ذریعہ یتیم پوتے ہی کو وارث ٹھہراتے ہیں، باپ والا پوتا کیوں نظر انداز کیا جاتا ہے ؟

یہ تو تھا ایک الزامی جواب ، اب سنئے کہ یہ کہنا ہی بالکل غلط ہے کہ " پوتا حقیقی معنٰے میں اولاد میں داخل ہے " کیونکہ علماءِ بلاغت اور علماءِ اصول نے حقیقت اور مجاز کی پہچان کے سلسلے میں ایک بڑے پتے کی بات لکھی ہے ، وہ فرماتے ہیں کہ حقیقت کی علامت یہ ہے کہ لفظ سے اس کی نفی نہیں کی جا سکتی، اور مجازی معنی کی نفی بھی کی جا سکتی ہے اور اثبات بھی، مثال کے طور پر " شیر " کے حقیقی معنٰے تو ایک مخصوص درندے کے ہیں، اسلئے اُس مخصوص درندے سے شیر کی نفی نہیں کی جا سکتی، آپ یوں نہیں کہہ سکتے کہ " شیر شیر نہیں "، دوسری طرف " شیر " کے مجازی معنٰے " بہادر " کے بھی ہوتے ہیں، جب زید کی بہادری بتانی مقصود ہوتا ہے تو ہم کہہ دیتے ہیں کہ " زید تو شیر ہے " تو یہاں ہم نے " شیر " کا اطلاق مجازاً زید پر کر دیا، اب عام حالات میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ " زید شیر ہے " اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ " زید شیر نہیں " گویا زید سے اس مجازی معنٰے کی نفی بھی کی جا سکتی ہے اور اثبات بھی ،

یہ حقیقت و مجاز پہچاننے کے لئے ایسی کسوٹی ہے جس سے کوئی فرد خارج نہیں، اب آپ اسی کسوٹی پر "ولد" یا بیٹے کو پرکھئے تو صاف معلوم جائے گا کہ صُلبی بیٹا تو حقیقی معنے میں "ولد" کے اندر داخل ہے مگر پوتا مجازاً داخل ہے کیونکہ آپ اس صلبی بیٹے سے ولد کی نفی نہیں کرسکتے، فرض کیجئے کہ زید کا ایک صُلبی بیٹا عمر ہے تو آپ یوں نہیں کہہ سکتے کہ "عُمر زید کا بیٹا نہیں" معلوم ہوگیا کہ یہ بیٹا حقیقی معنےٰ میں ہے، اس کے برخلاف پوتے سے "ولد یا بیٹے کے لفظ کی نفی بھی کی جاسکتی ہے اور اثبات بھی، چنانچہ اگر عمر زید کا پوتا ہے تو آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ "عمر زید کا بیٹا ہے" اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ "عمر زید کا بیٹا نہیں" گویا پوتے سے "بیٹے" کے لفظ کی نفی بھی کی جاسکتی ہے اور اثبات بھی، یہ اس بات کی کھلی علامت ہے کہ پوتا حقیقۃً ولد نہیں بلکہ مجازاً اس میں داخل ہے اور یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم میں ہم "اولاد" سے مراد صلبی بیٹے لے چکے ہیں تو اب اس میں پوتے کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک لفظ سے بیک وقت حقیقی اور مجازی دونوں معنیٰ مراد نہیں لئے جاسکتے،

ایک زبردست مغالطہ

یہاں بعض لوگوں کو ایک زبردست مغالطہ لگ گیا ہے، اس لئے اس کا ازالہ کردینا ضروری ہے، بات اگرچہ مختصر سی ہے مگر چونکہ ساتھ ہی باریک اور دقیق بھی ہے اس لئے ہم اُسے ذرا تفصیل سے بیان کرینگے

تاکہ وضاحت کے ساتھ سمجھ میں آسکے،

ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ ایک لفظ سے ایک ہی وقت اور حالت ایک ہی نسبت کے ساتھ حقیقی اور مجازی دونوں معنیٰ مراد نہیں لئے جاسکتے، اس پر بعض لوگوں کو یہ مغالطہ ہوگیا ہے کہ بعض صورتوں میں تو صلبی اولاد اور پوتے دونوں کو میراث ملتی ہے، اس صورت میں "یوصیکم اللہ فی اولادکم" میں صلبی اولاد اور پوتے دونوں مراد ہوگئے، اگر پوتا حقیقۃً ولد نہیں تو پھر صلبی اولاد کے ساتھ وہ بھی اس اولاد میں کیسے داخل ہوگیا؟ — بات پوری طرح سمجھنے کے لئے یہ نقشہ دیکھئے :—

میت زید	مسئلہ ۲
بیٹی (فاطمہ)	پوتا (رشید)
$\frac{1}{2}$	ع

زید مرا، اُس نے ایک بیٹی (فاطمہ) اور ایک پوتا (رشید) چھوڑا، اس صورت میں بیٹی صلبی اولاد ہے ہونا یہ چاہئے تھا کہ جب اسے یوصیکم اللہ فی اولادکم میں داخل مان کر حصہ دیا گیا تو اب پوتے (رشید) کو کوئی حصہ نہ ملے، کیونکہ جب قرآنی آیت میں اولاد سے مراد صلبی بیٹی ہوگئی جو اولاد کا حقیقی مفہوم ہے تو پوتا مراد نہیں ہوسکے گا، کیونکہ وہ مجازی معنیٰ میں ولد ہے حقیقۃً نہیں، اس کے باوجود اس صورت میں ہوتا یہ ہے کہ فاطمہ کو بھی آدھا حصہ

ملتا ہے اور پوتے کو بھی، یہ کیا بات ہے؟ یہاں حقیقت اور مجاز دونوں جمع کیسے ہو گئے؟ اگر اس طرح جمع ہوجانا صحیح ہے تو یتیم پوتے کی صورت میں بھی صحیح ہوجانا چاہیئے،

اس مغالطہ کا جواب سمجھنے سے پہلے اُس بات کو ذہن میں تازہ کر لیجئے جو ہم بحث کے شروع میں لکھ آئے ہیں کہ قرآن کریم نے رشتہ داروں کی دو قسمیں کر دی ہیں، ایک تو وہ جن کے حصّے باری تعالیٰ نے خود قرآن میں بیان فرما دیئے ہیں اور جنہیں "ذوی الفروض" کہا جاتا ہے، دوسرے عصبات جنہیں ذوی الفروض کو دینے کے بعد جو مال بچ رہتا ہے وہ ملتا ہے، ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین کا ارشاد عصبات کیلئے ہے، ذوی الفروض کے لئے نہیں، اور اگر میّت[1] کے کوئی مذکر صلبی اولاد نہ ہو تو بیٹی ذوی الفروض میں سے ہوتی ہے، اس کا حصہ اللہ تعالےٰ نے الگ مقرر فرما دیا ہے، اُس کا یوصیکم والی آیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا،

اب سمجھئے کہ یہاں چونکہ کوئی مذکر صلبی اولاد نہیں لہذا اس بیٹی کا یوصیکم اللہ فی اولادکم سے کوئی تعلق نہیں رہا، کیونکہ یہ بیٹی ذوی الفروض میں سے ہے، اور یوصیکم والی آیت عصبات کے بارے

---

[1] قاعدہ یہ ہے کہ اگر میت کے لڑکا اور لڑکی دونوں ہوں تب تو دونوں عصبات میں سے ہوتے ہیں اور جب صرف لڑکی ہو تو وہ ذوی الفروض میں سے ہوتی ہے ۱۲ مؤلف

میں ہے اس بیٹی کو قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے حصہ ملا ہے:۔

وان کانت واحدۃً فلھا النصف — اگر لڑکی تنہا ہو تو اسکو آدھا حصہ ملے گا۔

لہذا اب "یوصیکم اللہ فی اولادکم" کا مصداق بننے کیلئے کوئی صُلبی اولاد موجود نہ رہی، کیونکہ بیٹی تو دوسری آیت کا مصداق بنکر ذوی الفروض میں داخل ہو چکی ہے، اب "یوصیکم اللہ فی اولادکم" میں اولاد کا مصداق بننے کے لئے صرف پوتا (رشید) رہ گیا، لہذا وہی اس کا مصداق بن گیا،

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ مذکورہ بالا صورت میں کوئی صُلبی اولاد "اولادکم" کا مصداق بن ہی نہیں سکی، لہذا وہاں اولاد کے حقیقی معنٰے نہیں لئے گئے بلکہ جب حقیقی معنٰے کا کوئی مصداق باقی نہ رہا تو مجاز کی طرف رجوع کر کے پوتے کو اس کا مصداق بنایا گیا، اس مثال میں رشید کو جو حصہ ملا وہ اس وجہ سے کہ صُلبی اولاد میں صرف لڑکی ہے اور قرآن نے اس کا حصہ نصف مقرر کر دیا، اب جو اس سے بچے گا وہ عصبات کو دیا جائے گا، عصبات میں اب کوئی صُلبی اولاد باقی نہ رہی، لہذا پوتے کو بچا ہوا آدھا حصہ دیدیا گیا، اس طرح "اولاد" کا لفظ صرف اپنے مجازی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے حقیقی میں نہیں۔

ایک اور مغالطہ اسیطرح کا ایک اور مغالطہ یہاں بعض

حضرات کو لگ گیا ہے، وہ بھی چونکہ بڑا شبہ پیدا کر دینے والا ہے،
اس لئے اُسے بھی سمجھتے چلئے،

عائلی قوانین کے بعض وکلاء نے "یتیم پوتے کی میراث" کے مسئلہ
کو ایک وصیت کے مسئلے پر قیاس کیا ہے جسے ہمارے فقہاء نے بیان
فرمایا ہے وصیت کی صورت یہ ہے :-

موصی زید

عمر (مردہ) ← ان کی اولاد کے لئے وصیت کیگئی ← بکر (زندہ)

خالد بن عمر | محمود بن بکر

رشید (موصی لہٗ) | حمید (محروم)
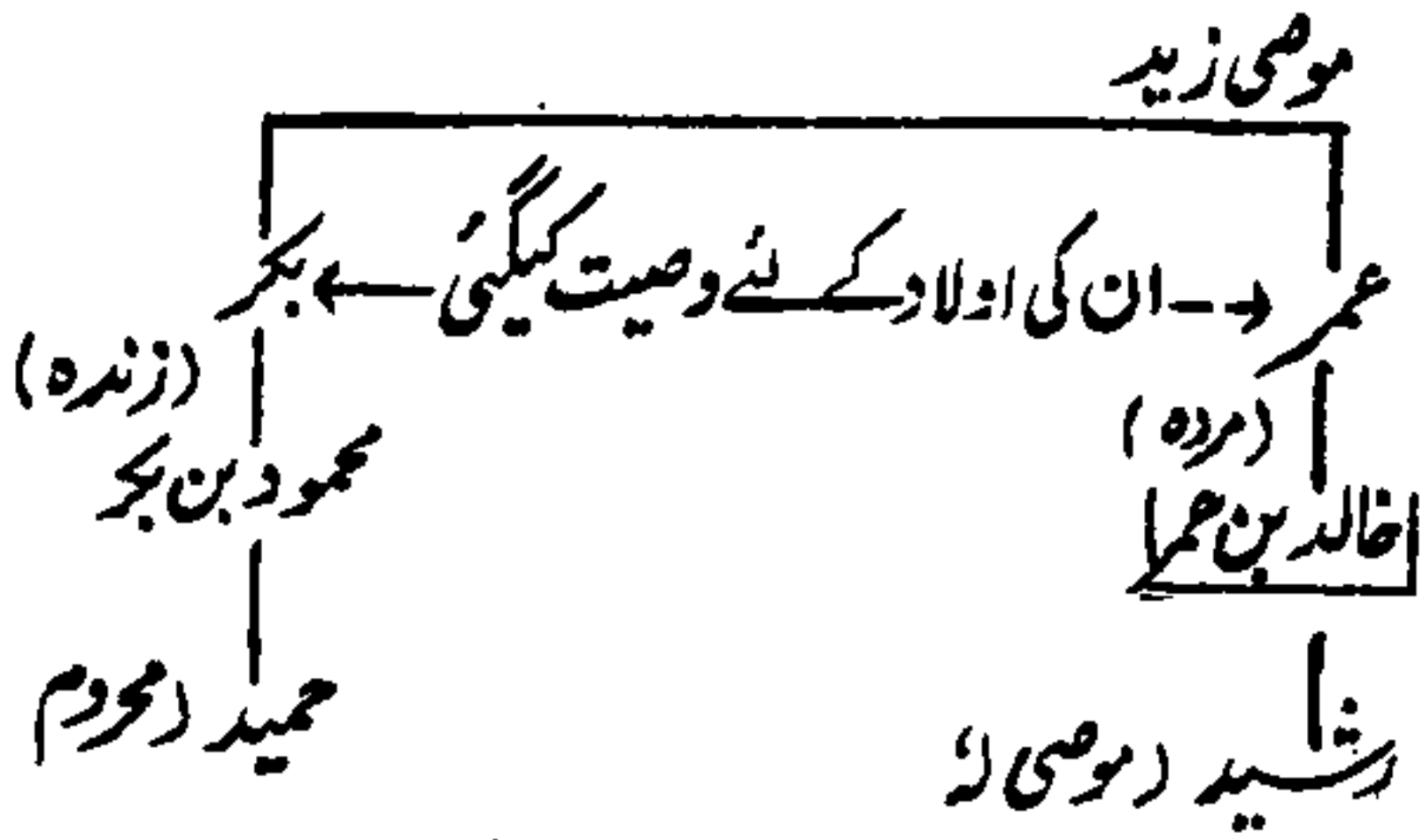
زید نے وصیت کی کہ عمرو اور بکر کی اولاد کو اس کا تہائی مال دیدیا جائے،
اب صورت یہ ہے کہ بکر کا بیٹا محمود تو خود موجود ہے اور اس کا پوتا حمید بھی
موجود ہے، لیکن عمرو کا صلبی بیٹا خالد تو مر گیا، البتہ پوتا رشید زندہ ہے،
اس صورت میں حکم یہ ہے کہ رشید اور محمود میں تہائی مال برابر برابر
تقسیم ہو جائے گا، بکر کا چونکہ اپنا بیٹا محمود موجود ہے اس لئے پوتا حمید
محروم ہو جائے گا لیکن دوسری طرف عمر کا اپنا بیٹا خالد تو مر گیا مگر پوتا رشید
زندہ ہے، اس لئے اولاد کا لفظ اس کو شامل ہو جائے گا اور وصیت
کا مال مل جائے گا،

اِس مسئلے میں اگر اتنا اور اضافہ کر لیا جائے کہ عمرو اور بکر دونوں سگے بھائی بھی ہیں جن کی اولاد کو تہائی مال دینے کی زید نے وصیت کی ہے، تب بھی حکم یہی ہوگا اور چچا کی موجودگی بھتیجے کو اپنا باپ نہ ہونیکی صورت میں محروم نہ کرے گی،

عائلی قانون کے وکلاء کہتے ہیں کہ "بعینہ یہی صورت اس مسئلہ میں بھی ہے کہ چچا (صلبی اولاد) کی موجودگی میں خود اس چچا کی اولاد کا وراثت میں حصّہ پانا تو غلط ہے لیکن جس پوتے کا باپ (یعنی متوفی دادا کی صلبی اولاد) مر چکا ہو، اس کا میراث میں حصّہ پانا غلط نہیں، بہ الفاظ دیگر باپ تو اپنے بیٹوں کو محروم کر دیتا ہے مگر چچا اپنے بھتیجے کو محروم نہیں کریگا، بلکہ جس طرح وصیت کی مذکورہ صورت میں "اولاد" کے مفہوم میں صلبی اولاد اور پوتے دونوں مراد ہو گئے تھے یعنی جہاں صُلبی اولاد موجود تھی وہاں صُلبی اولاد اور جہاں صُلبی اولاد موجود نہیں تھی وہاں اُن سے پیدا شدہ پوتے مراد ہو گئے تھے اسی طرح یوصیکم اللہ فی اولادکم میں بھی صلبی اولاد اور پوتے دونوں مراد ہونے چاہئیں،

یہ بیں تفاوت رہ! ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ کارنامہ کہ وراثت کو وصیت پر اور اللہ تعالیٰ کے عام ارشاد کو ایک شخص کے جزوی قول پر کس "صفائی" اور "خوبصورتی" سے قیاس کر لیا گیا کہ زمین و آسمان مل گئے اور ایک عام پڑھنے والا پتہ بھی نہ لگا سکا کہ ہوا کیا ہے؟

اب سنئے کہ وصیت کی جس صورت کو یہ حضرات زیر بحث مسئلہ کے ساتھ مشابہ سمجھ رہے ہیں وہ درحقیقت اُس سے کس قدر مختلف ہے۔

وصیّت کی صورت میں "اولاد" کے لفظ سے بیٹے اور پوتے دونوں بیک وقت اس لئے مراد ہو گئے تھے کہ زید جو عمرو اور بکر کی اولاد کے لئے وصیت کر رہا ہے وہ متعین کر کے دو الگ الگ اور خاص شخصوں کے لئے وصیت کر رہا ہے اسے معلوم ہے کہ عمر کا صُلبی بیٹا خالد مر چکا ہے، البتہ اس کا پوتا رشید زندہ ہے، پھر وہ عمرو کی اولاد کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس کا مطلب ہی اس سے سوائے اس کے پوتے کے اور کوئی نہیں یہ ایسا ہی ہے جیسے وہ "عمرو کا پوتا" کہہ دیتا، اور بکر کی چونکہ صُلبی اولاد موجود ہے اس لئے اس کی مراد وہی ہے پوتا نہیں، اس طرح اس صورت میں اولاد کا لفظ ایک شخص کے لئے حقیقت اور دوسرے کے لئے مجاز ہے،

اس کے برخلاف قرآن کریم کا خطاب یوصیکم اللہ فی اولادکم کسی خاص شخص کے لئے نہیں، ہر شخص کے لئے ہے، اس لئے جس شخص کا کوئی صُلبی بیٹا نہ ہو تو اس سے پوتے مراد لئے جائیں گے اور جس شخص کی صلبی اولاد موجود ہو گی تو وہی اس سے مراد ہو گی پوتے نہیں ہو سکتے۔ اس طرح اولاد کا لفظ ایک شخص کے لئے حقیقت اور ایک دوسرے کے لئے مجاز ہے، اگر یہاں ہم پوتے بھی مراد لے لیں تو یہ لازم آئے گا کہ اولاد کا لفظ ایک ہی شخص کے لئے حقیقت بھی بن رہا ہے اور مجاز بھی جو ناجائز ہے، حالانکہ وصیّت کی صورت میں ایک شخص کے لئے حقیقت

اور دوسرے کے لئے مجاز ہے،

اسی بات کو الفاظ کے تغیر سے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اصول کا مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ مجازی معنی کی طرف رجوع اس وقت کیا جاتا ہے جب حقیقت پر عمل ناممکن ہو جائے، جب تک حقیقت پر عمل ممکن رہتا ہے، اس وقت تک مجاز مراد نہیں لیا جا سکتا، آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ولد کی حقیقت صلبی لڑکا ہے، اور مجازاً وہاں ولد سے مراد پوتا نہیں لیا جا سکتا اور جہاں موجود نہ ہوگا وہاں پوتا ہی مراد ہوگا، وصیت کی صورت میں "اولادِ بکر" کی حقیقت پر تو عمل ممکن ہے اس لئے کہ بکر کا صلبی بیٹا موجود ہے لہذا مجاز کی طرف رجوع جائز نہ ہوگا اور پوتے کو مالِ وصیت نہ ملے گا، لیکن "اولادِ عمرو" کی حقیقت پر عمل اس لئے ممکن نہیں کہ عمرو کا صلبی بیٹا (موصی کی زندگی ہی میں) فوت ہو چکا ہے اس لئے مجاز کی طرف رجوع کیا جائے گا اور پوتا مراد لیلیا جائے گا۔ اب جو اس پوتے کو مالِ وصیت مل رہا ہے وہ اس لئے نہیں کہ وہ بھتیجا ہے محمود کا بلکہ اس لئے کہ وہ "اولادِ عمرو" کا مصداق ہے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ وصیت کرنے والا واضح الفاظ میں رشید اور محمود کے لئے الگ الگ وصیت کر دیتا اب ان کا آپس میں چچا بھتیجے ہونا مسئلہ پر کسی طرح اثر انداز نہ ہوتا، ــــــ لیکن وراثت کی صورت میں یہ بات نہیں، جب میت کے صلبی بیٹے موجود ہیں تو یوصیکم اللہ فی اولادکم کی حقیقت پر عمل ممکن ہے اس لئے مجاز پر عمل ناجائز ہوگا

اور پوتوں کو میراث نہیں ملے گی، ہاں اگر اس کا کوئی بھی صلبی بیٹا نہ ہو تب "اولاد" کی حقیقت پر عمل ناممکن ہوگا اس لئے مجاز کو اختیار کیا جائے گا اور پوتوں کو میراث ملے گی،

خلاصہ یہ کہ وصیت کی صورت میراث کی صورت سے اس لئے مختلف ہے کہ وصیت کی صورت میں "اولاد" سے مراد ایک شخص کے حق میں حقیقت اور دوسرے کے حق میں مجاز ہے اور یہ جائز ہے ایسا نہیں کہ اُسی شخص کے حق میں حقیقت ہو اور اسی کے حق میں مجاز ہو، اور اگر یتیم پوتے کو بیٹوں کی موجودگی میں وارث کر دیا جائے تو یہی صورت ہوگی، اگر وصیت کی صورت میں ایک ہی شخص کے حق میں حقیقت اور اسی کے حق میں مجاز ہوتا تو یہ صورت جائز نہ ہوتی اور مجازی معنی مراد نہ لئے جاتے،

اسی وجہ سے اگر وصیت کی صورت یوں بنائی جائے کہ :-

یعنی مذکورہ صورت میں یہ تغیر کر لیا جائے کہ عمرو کے دو بیٹے تھے، خالد اور حامد، خالد ابھی زندہ ہے اور حامد مر گیا مگر اس کا بیٹا رشید موجود
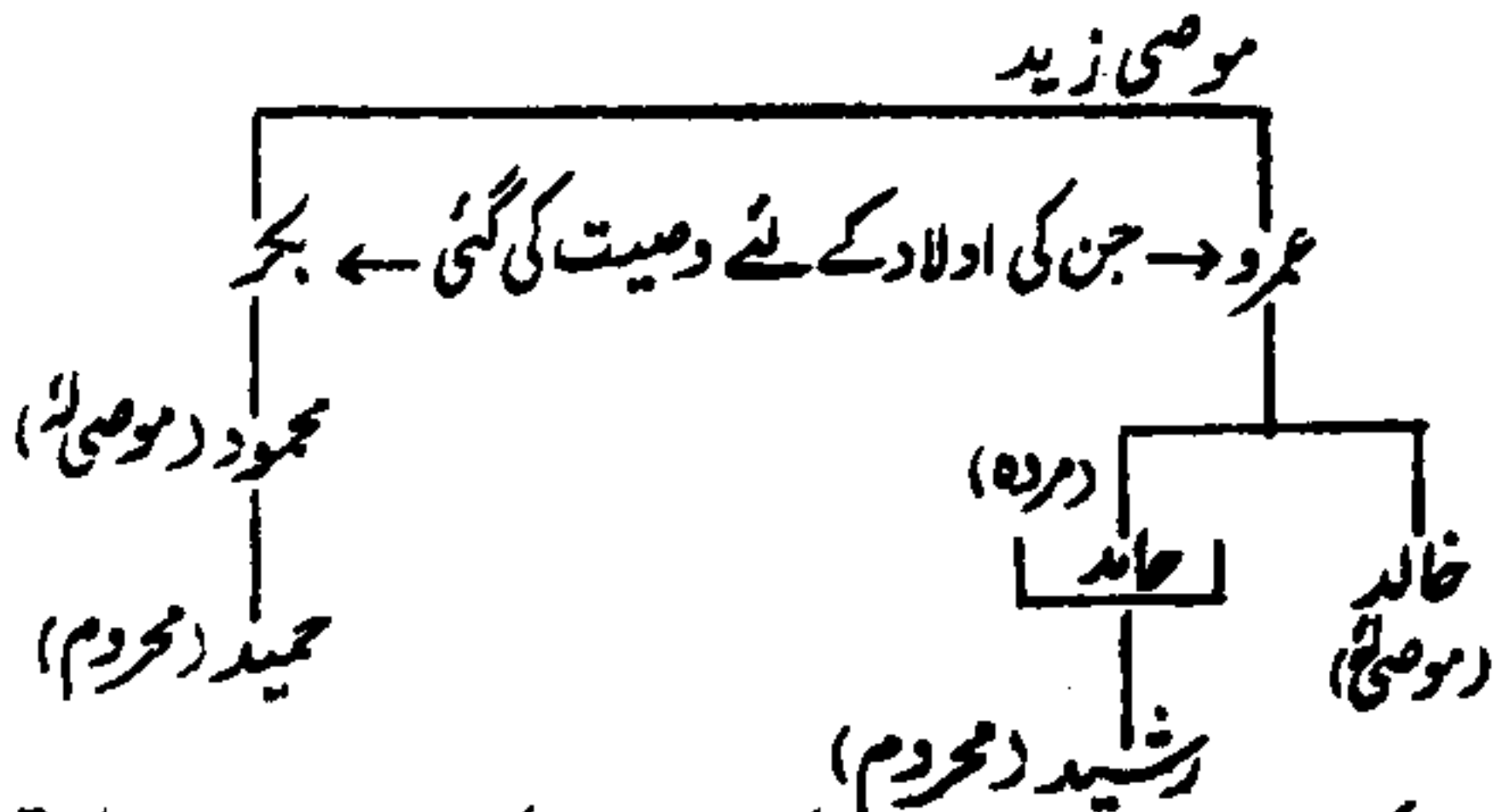
ہے (جو عمرو کا یتیم پوتا ہے) تو اس صورت میں یہ حکم ہو گا کہ عمرو کی اولاد میں سے صرف خالد کو اور بکر کی اولاد میں سے صرف محمود کو حصہ ملیگا رشید اور حمید دونوں محروم ہوں گے،

یہ صورت بیشک " بعینہ " ہمارے زیر بحث مسئلہ وراثت جیسی ہے، لہذا دونوں کا حکم ایک ہی ہے، وجہ اس میں بھی یہ ہے کہ جب " اولادِ عمرو " کا ایک حقیقی مصداق خالد موجود ہے تو مجاز کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا اور پوتے (رشید) کو مالِ وصیت نہیں ملیگا، کیوں کہ اگر ایسا کر دیا گیا تو لازم آئے گا کہ ایک ہی شخص کے حق میں لفظِ " اولاد " کا حقیقی مصداق اور مجازی مصداق دونوں جمع کر دیئے گئے ہیں اور یہ ناجائز ہے لہذا اس صورت میں چچا (خالد) کی موجودگی بھتیجے رشید کو محروم کر دے گی،

ذرا اسی نقشے کو پھر سامنے لے آئیے، اس تبدیلی کے ساتھ کہ وصیت کی بجائے وراثت کی صورت ہو :-

زید (دادا)
میت

(مردہ) بیٹا (خالد)	بیٹا محمود (زندہ)
رشید (پوتا) محروم	حمید (پوتا محروم)
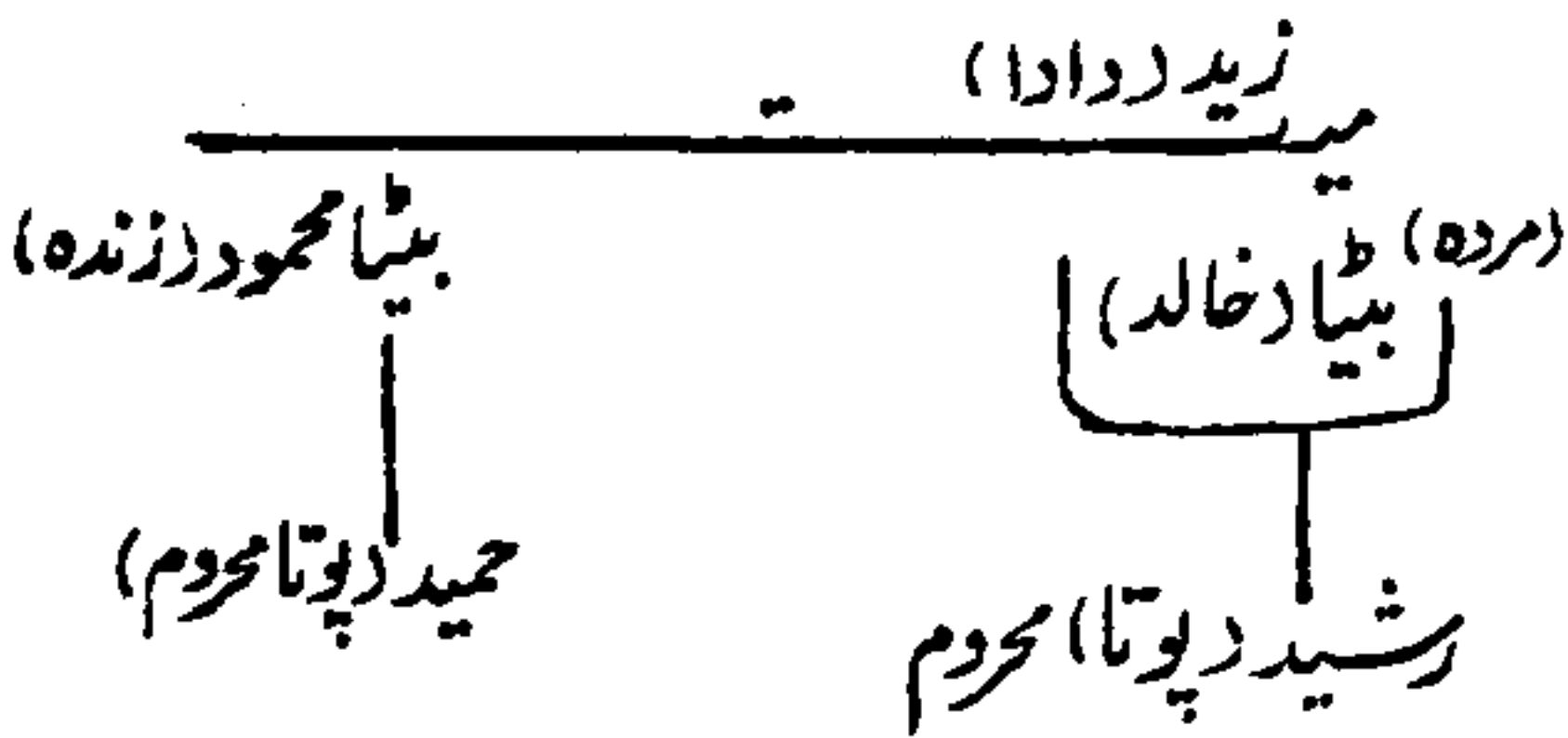
ہے نا یہ وہی صورت جو اس سے پہلے نقشہ میں تھی ؟ فرق صرف وصیت

اور وراثت کا ہے، جس طرح پچھلے نقشے میں وصیت کا مال صرف خالد اور محمود کو ملا تھا، اسی طرح اس نقشے میں وراثت کا مال انہی دونوں کو ملا ہے، اور جس طرح خالد چچا کی وجہ سے رشید بھتیجا اور محمود باپ کی وجہ سے حمید بیٹا پہلی صورت میں محروم ہو گئے تھے، اسی طرح یہاں بھی محروم ہو گئے، یہی اسلام کا مدعا ہے،

اس تشریح سے غالباً آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے کہ وصیت کی جو صورت عائلی قوانین کے وکلاء نے پیش کی ہے وہ ہمارے زیر بحث مسئلۂ وراثت کے مطابق نہیں، اس لئے دونوں کے حکم میں فرق ہے البتہ وصیت کی وہ صورت جو ہم نے بعد میں بیان کی وہ بیشک وراثت کی زیر بحث صورت کے سو فیصد مطابق ہے اس لئے دونوں کا حکم ایک ہے،

قریب کی وجہ سے بعید محروم

بحث کے شروع میں ہم اس قانون کی تفصیل بیان کر آئے ہیں، وہاں ہم نے اس اصول کی ایک دلیل آیت قرآنی پیش کی تھی کہ :-

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (۴/۷) — مردوں کو حصہ ملے گا اس میں سے جو والدین اور قریب ترین عزیز چھوڑ جائیں۔

اس پر منکرین حدیث نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اس آیت میں "اقربون" کا لفظ مورث کے لئے استعمال ہوا ہے وارث کے لئے نہیں، اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ اگر مورث کسی سے اقرب ہو تو وارث بھی اقرب ضرور ہو یا اگر وارث کسی جگہ اقرب نہ ہو تو مورث بھی اقرب نہ ہو، بلکہ یہ

ممکن ہے کہ ایک جگہ وارث تو مورث کے لئے اقرب نہ ہو مگر مورث وارث کے لئے اقرب ہی ہو، زیر بحث صورت میں یتیم پوتا تو بیشک اپنے دادا کے لئے اقرب نہیں کیونکہ اس کی صُلبی اولاد موجود ہے مگر دادا اپنے یتیم پوتے کے لئے اقرب ہے کیونکہ جب اُس پوتے کا باپ مر چکا ہے تو اب اس کے لئے دادا اقرب ہے، اور چونکہ قرآن میں "اقربون" کا لفظ مورث کے لئے استعمال ہوا ہے لہذا یہاں دادا اس میں داخل ہے اور یتیم پوتے کو میراث ملنی چاہیئے،

اس استدلال کا دارومدار اس بات پر ہے کہ دادا اور پوتے کے درمیان واسطہ باقی نہ رہنے سے دادا پوتے کے لئے اقرب ہو گیا، مگر کیا کوئی ہوشمند انسان اس بات کی تائید کر سکتا ہے؟ اگر پوتے کا باپ مر جائے تو کیا دادا باپ بن جاتا ہے؟ یا دادا کا بیٹا مر جائے تو کیا پوتا بیٹا بن جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوتا، اور اس سے بھی قطع نظر کر کے ذرا غور فرمائیے کہ اگر واسطہ اٹھ جانے کی بناء پر مورث کے اقرب ہو جانے کی منطق چلائی گئی اور اسی پر فیصلے کئے گئے تو پھر تو یتیم بھتیجے کو بھی اپنے چچا زاد بھائیوں کی موجودگی میں اپنے چچا کی میراث ملنی چاہیئے، کیوں کہ جب بھتیجے کا باپ مر گیا اور بیچ کا واسطہ اُٹھ گیا تو آپ کے فلسفے سے چچا اُس بھتیجے کے لئے اقرب بن گیا، خواہ خود چچا کے لئے یہ بھتیجا اقرب نہ بنا ہو، آپ اُسے میراث دلوانے میں کیوں پس وپیش کرتے ہیں؟

اسی طرح فرض کیجئے کہ ایک شخص زید ہے اُس کا اِس دُنیا میں کوئی رشتہ دار

نہیں، نہ بیٹا نہ باپ نہ بھائی نہ چچا نہ خالو، صرف اُس کے خالو کا ایک چچا رشید زندہ ہے، اور رشید کے بیٹے بھی ہیں، بیٹیاں بھی، اب آپ کی منطق کے مطابق زید تو رشید کے لئے اقرب نہیں کیونکہ رشید کے بیٹے اور بیٹیاں بھی موجود ہیں مگر رشید زید کے لئے اقرب ہے کیونکہ تمام واسطے اُٹھ چکے ہیں اور زید کا کوئی رشتہ دار سوائے اُس کے نہیں، اب رشید مرتا ہے تو کیونکہ وہ زید کے لئے اقرب ہے اور قرآن میں مورث کے لئے اقرب کا لفظ استعمال ہوا ہے، لہٰذا رشید کی میراث میں سے زید کو بھی فرد حصہ ملنا چاہئے ——————— !!!

اگر یہی طرزِ استنباط آپنے اختیار فرمایا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک شخص کے مرنے کے بعد جب اس کی میراث کی تقسیم کا وقت آئے گا تو ایک دوسرا شخص آکر یہ دعویٰ کریگا کہ مرحوم رشتہ میں میرے پھوپا کے خالو لگتے تھے اور اگرچہ میں ان کے لئے اقرب نہیں مگر چونکہ میرا اِس دنیا میں سوائے اُن کے کوئی رشتہ دار نہیں تھا اور میرے اور اُن کے درمیان حائل ہونے والے تمام واسطے اُٹھ چکے ہیں اس لئے وہ میرے لئے اقرب ہیں، لہٰذا اُن کے ترکہ میں سے مجھے بھی میراث دلوائیے، آپ کچھ پس و پیش کریں گے تو وہ جھٹ یتیم پوتے کی مثال دیدیگا کہ آپ نے یتیم پوتے کو جو میراث دی ہے وہ اسی بنا پر تو دی ہے کہ مرحوم اُس کے لئے اقرب تھے اگرچہ وہ مرحوم کے لئے اقرب نہ تھا، آپ اس کے جواب میں زیادہ سے زیادہ یہ کہیں گے کہ بھائی! اگر تمہیں میراث دی جائے تو آخر کس معیار

پر ؟ یتیم پوتے کے لئے تو یہ معیار موجود تھا کہ جتنا حصہ اُس کے مردہ باپ کو ملتا اتنا ہی ہم نے اُسے دیدیا، تم کو میراث دینے کا کیا معیار مقرر کیا جائے ؟ تو وہ یہ کہے گا کہ اس معیار کو آپ جانیں، جب آپ نے "للرّجال نصیبٌ مّما ترک الوالدان والاقربون" میں اقرب کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ درمیانی واسطہ اُٹھ جانے سے ایک بعید شخص قریب ہو جاتا ہے، نیز یہ کہ صرف مورث کا اقرب ہونا میراث ملنے کے لئے ضروری ہے، وارث کا اقرب ہونا ضروری نہیں تو مرحوم میرے اقرب تھے، اور قرآن یہ کہتا ہے کہ "اقربین" جو مال چھوڑیں اس میں سے ان مردوں کو حصہ ملیگا جن کے لئے وہ اقرب ہیں، لہٰذا مجھے ضرور مال ملنا چاہیئے، اس مرحلہ پر یقیناً آپ کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا،

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ جب انسان احادیث کی تشریح سے قطع کر کے نری اپنی عقل کے بَل پر قرآن فہمی کے لئے نکلتا ہے تو دین و دانش کا حلیہ کس بری طرح بگاڑ دیتا ہے ؟ اور پھر بھی اعتراضات کی دلدل میں پھنستا ہی چلا جاتا ہے اور اُسے کوئی راہِ فرار نہیں ملتی،

حقیقت یہ ہے کہ اس مشکل کا کوئی حل سوائے اس کے نہیں کہ انسان حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گر کر آپؐ سے رہنمائی کا طلبگار ہو، جب اس طرح حق کی تلاش کریگا تو اُسے معلوم ہوگا کہ درحقیقت اللہ تعالےٰ کے اس ارشاد کی صحیح تشریح وہ ہے جو اُس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمادی کہ :-

الحقوا الفرائض باھلھا فما	ذوی الفروض کے حصے انہیں دیدو،
بقی فھو لاولی رجل ذکر	پھر جو بچ رہے وہ سب سے قریبی مذکر
(بخاری)	مرد کو ملے گا،

تب اُس پر اس حقیقت کا انکشاف ہوگا کہ "مورث کی اقربیت کا ذکر قرآن نے کیا اور وارث کی اقربیّت کا ذکر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، جس سے واضح ہوگیا کہ صرف اُس اقرب کے مال سے انسان میراث پاسکتا ہے جس کے لئے وہ خود بھی اقرب ہو، یہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب ہے،

اگر اس نکتے سے بے نیاز ہوکر کوئی شخص مسئلہ کا حل تلاش کرنے نکلے گا تو وہ یقیناً اعتراضات کی اُس دلدل میں پھنستا چلا جائیگا اور ساری دنیا اُس کے گلے پڑ جائے گی کہ ہمیں بھی میراث دلواؤ، اور وہ کبھی ان مطالبات سے عہدہ برآ نہیں ہوسکے گا۔

یہ اصول تو خالص عقلی ہے

چلئے! تھوڑی دیر کے لئے قطع نظر کیجئے اس بحث سے بھی، مگر سوال یہ ہے کہ یہ حضرات "الاقرب فالاقرب" کے قرآن سے ثابت نہ ہونے پر اتنے مُصر کیوں ہیں؟ اگر محال کو فرض کرتے ہوئے ہم مان بھی لیں کہ یہ اصول قرآن سے ثابت نہیں، تو آخر تقسیم کا اصول اور معیار کچھ تو ہونا چاہیئے اگر آپ اس معیار کو نہیں مانتے تو کیا آپ کے پاس اس "اقربیت" کے سوا تقسیم وراثت کا کوئی اور معقول معیار ہے؟

اگر ہے تو کیا آپ اس کے مطابق وراثت تقسیم کرنے پر قادر ہیں ؟
کیا آپ کی مرضی یہ ہے کہ افلاس اور بیکسی کو تقسیم وراثت کا معیار قرار دیا جائے ؟ اگر ایسا ہے تو خدارا بتائیے کہ اس کے مطابق وراثت کو تقسیم کرنے کی شکل کیا ہو گی ؟

اوّل تو یہ متعین کرنا ہی ہمارے آپ کے بس کی بات نہیں کہ زیادہ بیکس کون ہے ؟ اور اگر بالفرض یہ متعیّن ہو بھی گیا تو اگر سکڑ پوتا سب سے زیادہ بیکس ثابت ہوا جبکہ اس کے باپ دادے بھی موجود ہیں تو کیا آپ میّت کے بیٹے پوتے کو چھوڑ کر اُسے میراث دیدیں گے ؟ ظاہر ہے کہ یہ تو آپ کا منشا بھی نہیں، اور نہ کوئی عقلمند اسے تسلیم کر سکتا ہے، تو جب یہ افلاس اور بیکسی کا معیار بالکل ناقابلِ عمل ہے تو بتلائیے کہ اور کونسا معیار آپ مقرر فرمائیں گے ؟ —— صرف قرابت کو تقسیم وراثت کا معیار بنائیں گے ؟ تو نفس قرابت اور رشتہ داری میں تو پوری دنیا کے انسان شریک ہیں، سب کے والد ایک حضرتِ آدمؑ ہی ہیں، تو اس کا تقاضا تو یہ ہو گا کہ ہر مرنے والے کی میراث اجزاء لاتتجزیٰ (Atoms) بن کر تقسیم ہو اور پھر بھی سب کو نہ پہونچ سکے،

چلئے ! اس لمبی چوڑی قرابت کو بھی چھوڑیئے، کیا آپ تقسیم وراثت کا یہ معیار مقرر کریں گے کہ ہر شخص کی میراث اُس کے ان رشتہ داروں میں تقسیم ہو جنہیں عرف و اصطلاح میں رشتہ دار سمجھا جاتا ہے اگر یہ معیار ہے تو پھر اُصول یہ بن جائے گا کہ اگر (ذوی الفروض کو تقسیم کرنیکے بعد)

ایک شخص کے بیٹے، پوتے، پڑپوتے، سکڑپوتے، چچا، پھوپی، خالہ، چچی، پھوپا، خالو سب موجود ہیں تو سب کو برابر برابر میراث ملے، اس بات کو بھی آپ تسلیم نہیں کرتے اور آپ خود فرماتے ہیں کہ یہ عقل و شریعت کے بالکل خلاف ہے،

جب ان میں سے کوئی معیار آپ کے نزدیک قابلِ قبول نہیں تو "الاقرب فالاقرب" یعنی قریب کی وجہ سے بعید کے محروم ہونے کے سوا کونسا معیار رہ جاتا ہے جس کو پیش نظر رکھ کر میراث تقسیم کی جائے؟

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ "قریب کی وجہ سے بعید محروم" کا یہ اُصول خالص اور سو فی صد عقلی ہے اور عقل کی رُو سے بھی اس کے سوا کوئی معیار اور کوئی اصول تقسیم وراثت کے لئے صحیح نہیں،

پھر جب یہ حضرات اس معیار کو بھی اپنے مزاج نازک کے خلاف پا کر رد کرتے ہیں تو آخر اس کے سوا کیا سمجھا جائے کہ شریعت اور ملکی قوانین ان حضرات کی نظر میں ایسی سرسری سی چیزیں ہیں کہ ان کے لئے کسی اصول، یا کسی معیار کی قطعاً کوئی ضرورت یہ حضرات نہیں سمجھتے، بلکہ دس کروڑ مسلمانوں کے لئے کوئی ضابطہ یا قانون بنا دینا ان کے نزدیک ایسا ہنسی کھیل ہے کہ اس کے لئے کوئی اصول سامنے

ملے صد صد کی بحث ایک بار پھر دیکھ لیجئے جس میں ہم نے ثابت کیا ہو کہ قرآن کریم کی رُو سے بھی اقربیت" کے سوا تقسیم وراثت کا کوئی اور معیار صحیح نہیں ہو سکتا ۱۲ مؤلف

رکھے بغیر جو بات منہ سے نکل جائے اُسے تمام مسلمانوں پر مسلط کر دیا جائے، کیوں کہ ع

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

بعض دوستوں کو "پوتے کی میراث" کے مسئلہ میں منکرین حدیث کی اس بے ضابطگی پر تعجب ہوتا ہے، مگر ہمیں اس پر بالکل حیرت نہیں اس لئے کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، یہ ساری بے تکی باتیں ایک ہی شجرۂ خبیثہ کے لازمی پھل پھول ہیں اور وہ ہے "انکار سنت!" سنت کا انکار کر کے کسی شخص کا منہ کے بل گرنا اس کے اسی بنیادی گمرہی کا منطقی نتیجہ ہے، اگر کوئی شخص آنکھوں پر پٹی باندھ کر دشوار گزار راہیں قطع کرنے کی ٹھان لے تو اس کا کسی گڑھے میں جا گرنا کیا تعجب خیز ہو سکتا ہے؟

کیا یہ اصول کہیں ٹوٹتا ہے؟

اب اُن کے ایک دوسرے اعتراض ہی کو دیکھ لیجئے جو انھوں نے "الاقرب فالاقرب" کے اصول پر بزعم خود "وارد" کیا ہے،

وہ فرماتے ہیں کہ "الاقرب فالاقرب" کا اصول بھی بعض جگہ ٹوٹ جاتا ہے، اس کی انھوں نے کئی مثالیں دے ڈالی ہیں جن میں سے پہلی مثال یہ ہے:۔

میت زید مسئلہ ۱۸

پوتا رشید	پوتی زینب	بیٹی فاطمہ	بیٹی کلثوم
۴	۲	۶	۶

اگر زید دو بیٹیاں، ایک پوتا اور ایک پوتی چھوڑ کر مرتا ہے تو اسلامی اصول سے دو تہائی بیٹیوں کو مل جاتا ہے اور باقی ایک تہائی پوتا پوتی دونوں میں اس طرح تقسیم ہوتا ہے کہ پوتے کو پوتی سے دگنا حصہ ملتا ہے، ــــ ان حضرات کا کہنا یہ ہے کہ یہاں بیٹیاں (فاطمہ اور کلثوم) اقرب ہیں اور پوتا پوتی ان کی نسبت سے بعید ہیں، مگر اس کے باوجود یہاں قریب (بیٹیوں) کی وجہ سے بعید (پوتا پوتی) محروم نہیں ہو رہے، اس لئے "الاقرب فالاقرب" کا اصول ٹوٹ گیا،

اس اعتراض کے جواب میں ہم اس کے سوا اور کیا کہیں کہ ؎

یارب نہ وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے مری بات
دے اور دل ان کو جو نہ دے مجھکو زباں اور

اسلام کا نظامِ وراثت بیان کرتے ہوئے ہم پہلے کئی بار لکھ آئے ہیں کہ قرآنِ کریم نے رشتہ داروں کی دو قسمیں کر دی ہیں، ایک **ذوی الفروض** یعنی وہ رشتہ دار جن کے حصے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی حکمتِ بالغہ سے معین فرما دیئے ہیں، کسی کو ان میں رد و بدل کا اختیار نہیں دیا، اس میں قریب اور بعید کا فرق ملحوظ تو ہے

مگر اس کی بنا پر کوئی کسی کو محروم نہیں کرتا، جتنے ذوی الفروض موجود ہوتے ہیں ان سب کو حصّہ ملتا ہے، دوسری قسم عصبات کی ہے جن کی ایک مستقل فہرست ہے اور ذوی الفروض سے جو کچھ بچ رہتا ہے وہ انہیں دیا جاتا ہے، "الاقرب فالاقرب" کا اصول اسی قسم میں ہے اسی کے بارے میں یہ حکم ہے کہ قریب موجود ہو تو بعید کو محروم کر دو، لہذا اگر ذوی الفروض میں سے کوئی قریبی رشتہ دار موجود ہے تو اس کی وجہ سے عصبات کے کسی رشتہ دار کو محروم نہیں کیا جاتا،

خواہ ذوی الفروض کی نسبت سے کتنا ہی بعید کیوں نہ ہو، اس لئے کہ یہ دونوں قسمیں الگ الگ ہیں، اگر ذوی الفروض کا کوئی رشتہ دار عصبات کے کسی رشتہ دار کو محروم کر دے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ذوی الفروض کے رشتہ دار کا حصّہ تو اللہ نے خود مقرر کر دیا اُسے تو اتنا ہی ملے گا، اب اگر اس کی موجودگی میں عصبات کو نہ دیا جائے تو جو مال بچ رہے گا وہ کہاں جائے گا؟ اس لئے عصبات ذوی الفروض کی وجہ سے محروم نہیں کئے جاتے، ہاں اگر عصبات ہی میں سے کوئی قریبی رشتہ دار موجود ہے تو عصبات کے دوسرے بعید رشتہ دار محروم ہو جاتے ہیں،

یہ ہے قرآن کا سو فیصد حکیمانہ اصول جس کی معقولیت پر کوئی انگلی نہیں رکھ سکتا، اب مذکورہ مثال کو اسی اصول پر جانچئے کہ کیا وہ "الاقرب فالاقرب" کے اس اصول سے خارج ہے؟

اس مثال میں بیٹیوں کی موجودگی میں جو پوتے پوتی کو حصّہ مل رہا ہے وہ اس لئے کہ فاطمہ اور کلثوم (صلبی بیٹیاں) یہاں ذوی الفروض میں سے ہیں جن کا حصّہ قرآن نے خود مقرر کر دیا جن کی موجودگی کسی کو محروم نہیں کرتی، اس لئے وہ پوتا پوتی کو محروم نہیں کر رہیں، اب ان کو قرآن کی تقسیم کے مطابق دو تہائی حصّہ دے کر جو ایک تہائی بچتا ہے وہ عصبات کو دیا جائے گا، اور ان عصبات میں یہ اصول ملحوظ رکھا جائیگا کہ قریب ترین کو ملے، بعید اس کی وجہ سے محروم ہے۔ مذکورہ مثال میں چونکہ عصبات میں صرف پوتا پوتی ہی ہیں جو درجہ کے لحاظ سے برابر ہیں اس لئے دونوں کو حصّہ مل رہا ہے، البتہ اگر ان عصبات میں صورت یہ ہوتی کہ ایک پوتا اور ایک پڑ پوتا ہوتا تو پڑ پوتا محروم رہتا اور بیٹیوں سے جو کچھ بچتا وہ صرف پوتے کو مل رہتا،

اب آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ اعتراض کرنے سے پہلے یا تو ان حضرات نے "الاقرب فالاقرب" کا اصول سمجھا ہی نہ تھا اور جوشِ مخالفت میں اعتراضات کی بوچھار کر دی، یا پھر جان بوجھ کر بھولے بھالے عوام کو بہکانے کے لئے ذوی الفروض اور عصبات میں خلط ملط کر کے اعتراض کی ایک عمارت کھڑی کر دی، دونوں ہی صورتیں انتہائی شرمناک ہیں،

اسی طرح کی ایک مثال انھوں نے اور دی ہے جس کا بنیادی جواب تو وہی ہے جو ہم دے چکے مگر چونکہ اس میں ایک مزید شبہ کا

ازالہ کرنا ہے اس لئے اس کو بھی ہم یہاں ذکر کر دیتے ہیں :-

میت زید ۱۸ مسئلہ

حمید (پڑپوتا)	چار پوتیاں	فاطمہ (بیٹی)	کلثوم (بیٹی)
۲	۴	۶	۶

ایک شخص زید دو بیٹیاں، چار پوتیاں اور ایک پڑپوتا چھوڑ کر مرتا ہے تو اسلامی شریعت کی رو سے پورے مال کے اٹھارہ حصے کر کے چھ چھ تو دونوں بیٹیوں کو دیئے جائیں گے، باقی چھ میں سے چار حصے چار پوتیوں کو اور دو حصے پڑپوتے کو ملیں گے،

یہاں بھی وہی صورت ہے کہ دونوں بیٹیاں تو ذوی الفروض میں سے ہیں اللہ نے ان کے حصے معین فرما دیئے اس لئے وہ کسی کو محروم نہیں کرتیں، اب ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ چار پوتیاں ایک پڑپوتے کو کیوں محروم نہیں کر رہیں جبکہ ان میں آپس قرب و بعد ہے؟ سو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ پوتیوں کا حصہ تنہا ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا ہے، اس لئے اگر یہ تنہا ہوں تو ذوی الفروض میں سے ہوتی ہیں مگر جب ان کی ساتھ کوئی پوتا یا پڑپوتا بھی ہو تو ان کا حصہ اللہ تعالیٰ نے معین نہیں فرمایا اس لئے یہ عصبہ بن جاتی ہیں، پوتا یا پڑپوتا ہی انہیں عصبہ بناتا ہے (یہ بات مسلم ہے جس میں کسی کو اختلاف نہیں) تو جس پڑپوتے کی وجہ سے یہ خود عصبہ بنی ہیں، اُسے یہ محروم کیسے کر دیں؟ اس لئے اُسے بھی حصہ مل جاتا ہے، بہ الفاظ دیگر یہ پوتیاں جب تنہا

تھیں تو قرآن میں ان کا حصہ مقرر تھا اور جب پڑپوتا ان کے ساتھ ملا تو اس حالت میں ان کا حصہ قرآن نے معین نہیں کیا اور خود اللہ تعالیٰ ہی نے ان کے بارے میں یہ حکم دیا کہ :-

للذکر مثل حظ الانثیین — مذکر کو دو مؤنث کی برابر حصہ ملے گا۔

چنانچہ یہ عصبہ ہو گئیں اور اسی طرح ان کے درمیان میراث تقسیم ہو گئی کہ پڑپوتے کو دو پوتیوں کی برابر حصہ ملا۔

اس کے علاوہ جتنی مثالیں بھی اس سلسلے میں پیش کی گئی ہیں، اُن سب کا یہی حال ہے کہ ذوی الفروض اور عصبات میں خلط ملط کر کے اعتراض بنایا گیا ہے، حالانکہ درحقیقت یہ اصول ایسا اٹل ہے کہ کہیں نہیں ٹوٹتا،

دادا پوتے کا وارث کیوں ہوتا ہے؟ | غالباً عوام کے جذبات سے کھیلنے کے لئے

یہ حضرات ایک مثال اور بڑے زور شور سے پیش کرتے ہیں جس میں دادا بیٹے کی موجودگی میں پوتے کا وارث ہوتا ہے، صورت یہ ہوتی ہے:-

میت زید — مسئلہ ۶

دادا (خالد)	بیٹا (رشید)
	۵

زید مرا اور اس نے ایک اپنا دادا خالد چھوڑا اور ایک اپنا بیٹا رشید، اس صورت میں سے ایک حصہ دادا کو ملتا ہے اور باقی پانچ حصے بیٹے کو، اس بیان

حضرات کو سخت اعتراض ہے کہ پوتے کو تو بیٹے کی موجودگی میں دادا کی میراث سے حصہ ملتا نہیں، پھر دادا کو پوتے کی میراث سے کیوں حصہ ملتا ہے؟

اس جذباتی اعتراض کا جواب بھی وہی ہے کہ دادا ذوی الفروض میں سے ہے، اللہ تعالےٰ نے خود اس کا حصہ مقرر فرمادیا ہے اور ذوی الفروض جن کے حصّے قرآن نے معین کر دیئے وہ کسی حال محروم نہیں ہو سکتے اس لئے اُسے قرآنی حکم کے مطابق چھٹا حصہ مل رہا ہے، اس کے برخلاف پوتا عصبات میں سے ہے، جب اللہ ہی نے اس حصہ معین نہیں فرمایا تو آپ کو مقرر کرنیکا کیا حق ہے؟ جب بیٹا (قریب) موجود ہو تو اسے محروم ہی رکھا جائے گا۔

رہا یہ کہ جب پوتا (بیٹوں کی موجودگی میں) دادا سے میراث نہیں پاتا تو اس کی حکمت کیا ہے کہ دادا بیٹوں کی میراث پائے تو اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا کہ :۔

' اٰباؤکم وابناؤکم لاتدرون ایھم اقرب لکم نفعًا ' تمہارے باپ بیٹوں میں سے نفع کے اعتبار سے تم سے کون زیادہ قریب ہے یہ تم نہیں جانتے'

یعنی جن کے حصّے ہم نے مقرر فرما دیئے ہیں ان میں وہ حکمتیں پنہاں ہیں جنہیں تم نہیں جانتے، اس لئے اس میں کسی قسم کا رد و بدل تم نہیں کر سکتے،

علمائے کے اعتراضات کا جواب

چودہ مقتدر علمائے کرام نے متفقہ طور پر عائلی قوانین

کے خلاف جو بیان دیا تھا، اس میں یتیم پوتے کی میراث پر اعتراض کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ اس سے لازم آتا ہے کہ پوتے کے متوفی باپ کو ترکہ کی تقسیم کے وقت زندہ تصور کیا جائے، اور پھر فوراً ہی اُسے مُردہ تصور کر لیا جائے، اگر یہ آنکھ مچولی کرنی ہی ہے تو پھر بیٹوں اور بیٹیوں کے علاوہ دوسرے وُرثاء کو (جو میّت کی زندگی میں وفات پا گئے ہوں) زندہ تصور کر کے ان کے حصّے کیوں نہیں نکالے جاتے؟ اور جو بیٹے باپ کی زندگی میں لاولد مر گئے ہوں ان کے حصّے بھی اُنہیں زندہ تصور کر کے کیوں نہیں نکالے جاتے؟ اور فوت شدہ بیٹے کی اولاد ہی کو کیوں حصّہ دیا جاتا ہے؟ اس کی بیوی، ماں اور دیگر رشتہ داروں کو اس کے ترکہ سے حصّہ کیوں نہیں دلوایا جاتا؟ یہ غیر قانونی حیلے قرآن کی کونسی آیت سے اخذ کئے گئے ہیں؟

علماء کے اس معقول اور اصولی اعتراض کا بزعمِ خود جواب دیتے ہوئے بعض منکرین حدیث نے لکھا ہے کہ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اگر متوفی کی ایک بیٹی موجود ہے اور ساتھ ہی ایک پوتی بھی موجود ہو تو اس صورت میں پوتی کو چھٹا حصّہ آپ کس قاعدے سے دلواتے ہیں؟ اسی طرح اگر ایک شخص دو بیٹیاں، ایک پوتی اور ایک پوتا چھوڑ کر مر جائے تو پوتی اور پوتے کو وہاں کس طرح حصّہ دلوایا جاتا ہے؟ کیا یہ تمام اعتراضات وہاں وارد نہیں ہوتے؟

اس کے جواب میں ہمیں یہ کہنا ہے کہ ان صورتوں میں پوتے

پوتی کو جو حصّہ مل رہا ہے اس کے بارے میں یہ کس نے کہا ہے کہ وہ ان کے باپ کو زندہ تصور کر کے دیا جا رہا ہے، اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ پہلی صورت میں اگر باپ کو زندہ تصور کر کے پوتی کو حصّہ دیا جاتا تو اسے وہی حصّہ ملنا چاہیئے تھا جو اس کے باپ کو ملتا، حالانکہ یہاں اس کو چھٹا حصہ معین طور پر ملتا ہے، اور اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو اسے چھٹا حصّہ نہ ملتا بلکہ وہ عصبہ ہوتا، اس سے معلوم ہوگیا کہ یہاں جو پوتی کو چھٹا حصّہ دیا گیا ہے وہ باپ کو زندہ تصور کر کے نہیں دیا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پوتی یہاں پر ذوی الفروض میں سے ہے جس کا حصّہ خود اللہ تعالٰے نے منصوص فرما دیا ہے، اس لئے اُسے حصّہ مل رہا ہے،

دوسری صورت میں بھی پوتے پوتی کو جو حصّہ مل رہا ہے وہ اس لئے نہیں کہ ان کے باپ کو زندہ تصور کیا گیا بلکہ اس لئے کہ ان کا وارث ہونا خود اللہ تعالٰے نے بیان فرما دیا، مذکورہ صورت میں یوصیکم اللہ فی اولادکم الخ کا مصداق پوتے[1] پوتی کے سوا اور کون ہے؟ اس لئے انہیں محروم کرنے کی جرأت کون کرسکتا ہے؟ مگر جب بیٹے موجود ہوں تو چونکہ اس وقت "اولاد" سے مراد وہی ہوتے ہیں اس لئے

---

[1] بیٹا کوئی موجود نہیں اور بیٹیوں کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں وہ ذوی الفروض میں سے ہیں انہیں ایک مستقل دوسری آیت وان کانت واحدۃً فلہا النصف سے حصہ ملا ہے، اس کی پوری تفصیل ہم "ایک زبردست مغالطہ" کے عنوان کے تحت ص ۵۱ و ۵۷ پر لکھ آئے ہیں ۱۲ مؤلف

اللہ نے پوتوں کو وارث قرار نہیں دیا اس لئے انہیں وارث بنانے کی جسارت بھی اپنی حدود سے بیجا تجاوز ہے اور اس وقت مذکورہ تمام اعتراضات بجا طور پر وارد ہوتے ہیں،

ناطقہ سر بگریباں منکرین حدیث کے ایک پُر زور مبلغ صاحب نے علماء کرام کے مذکورہ اعتراضات کا ایک اور بڑا ہی دلچسپ جواب دیا ہے، ناانصافی ہوگی اگر ہم اس "اچھوتی تحقیق" سے ناظرین کو محظوظ نہ کریں، اس لئے اسے انہی کے الفاظ میں سنئے وہ فرماتے ہیں :-

> "ان حضرات کو جو یہ مغالطہ لگ رہا ہے کہ متوفی بیٹے کو زندہ تصور کیا جاتا ہے وہ غلط ہے، پوتا اپنے دادا سے براہِ راست اپنے باپ کا قائم مقام ہو کر حصہ پاتا ہے، اپنے متوفی باپ کے ذریعے سے حصہ نہیں پاتا۔"

کچھ سمجھے آپ ؟ یعنی پوتا جو حصہ پاتا ہے وہ "براہِ راست" بھی ہے اور ساتھ ہی "قائم مقام" بھی، اب اگر ان سے کوئی پوچھتا ہے کہ محترم ! اگر براہِ راست ہے تو قائم مقام کا کیا مطلب ہے ؟ اور قائم مقام ہے تو براہِ راست[۱] کیسے ہو سکتا ہے ؟ تو وہ سخت کج فہم کٹ حجتی اور بدزبان ہے اور اُسے

---

[۱] قائم مقام تو تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ اصل ثابت ہو اور اصل کے ثابت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ باپ کو زندہ تصور کیا جائے (ورنہ اصل ہی ثابت نہ ہو سکے گی) پھر وہ "براہِ راست" کہاں رہا ؟ ۱۲ مؤلف

ضرور زمین میں دفن ہو جانا چاہیئے ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

اجماع مستقل دلیل ہے

ہم شروع میں لکھ آئے ہیں کہ یتیم پوتے کے وارث نہ ہونے پر تمام صحابہ و علماءِ اُمت کا اجماع ہے، اس لئے اس کے خلاف کہنے کی جرأت کسی کو نہ ہونی چاہیئے، مگر جو لوگ حدیث و سنت ہی کو حجت (Authority) تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوں وہ اجماع کو کیسے تسلیم کرلیں؟ چنانچہ ایک صاحب نے فرما ہی دیا کہ:-

"بلاشبہ یہ بات حیرتناک ضرور ہے کہ یتیم پوتوں اور نواسوں کو محروم کرنے میں سبھی شریک اور یک زبان ہیں مگر یہ بات کسی درجہ میں کتنی ہی حیرتناک کیوں نہ ہو اس مسئلہ کو حق بجانب ثابت نہیں کرسکتی، کیونکہ دین میں بہر حال اگر اہمیت حاصل ہے تو دلائل کو ہے شخصیتوں کو نہیں۔"

اس میں انہوں نے دو باتیں کہی ہیں، ایک تو یہ کہ یتیم پوتے کو میراث دلوانا بہت مضبوط دلائل سے ثابت ہے اور دوسرے یہ کہ اگر دلائل اجماع کے خلاف موجود ہوں تو اجماع کوئی چیز نہیں۔- یہ حضرات ہمیں یہ کہنے میں معاف فرمائیں کہ ان کی یہ دونوں باتیں غلط ہیں، جہانتک دلائل کا تعلق ہے تو منصف مزاج ناظرین پر یہ حقیقت بخوبی آشکار

ہو چکی ہو گی کہ پوتے کو وارث بنانا ایسی بے اصول بات ہے کہ شاید اس سے بڑھ کر کوئی بے قاعدہ بات آج تک قانون نہ بنائی گئی ہو، اور جتنے دلائل اس کے اثبات میں پیش کئے گئے ہیں وہ سب مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ بودے اور کمزور ہیں، اور علماءِ اُمّت کے دلائل بیحد قوی اور ناقابلِ انکار،

لیکن پھر بھی اگر بفرضِ محال اس مسئلے میں کوئی ایک دلیل بھی سوائے اجماع کے ہمارے پاس نہ ہوتی، اور صرف ہمیں یہ نظر آتا کہ اس مسئلہ میں کسی ایک صحابی، کسی تابعی یا کسی فقیہ کی رائے بھی اس کے خلاف نہیں ہے تو ہم آنکھیں بند کرکے اُسے درست تسلیم کر سکتے تھے، تمام صحابہ رض تمام تابعین، تمام ائمہ مجتہدین اور تمام علماءِ اُمّت کا اجماع و اتفاق خود اس قدر قوی دلیل ہے کہ کم از کم ایک مسلمان اس کے خلاف کچھ کہنے کی جرأت نہیں رکھتا اسلامی شریعت کے اس سرچشمہ کی تشریح ہم بحث کے شروع میں کر چکے ہیں،

رہی یہ بات کہ دین میں اہمیت دلائل کو حاصل ہے شخصیتوں کو نہیں، تو ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر اسلافِ اُمّت کو اپنے اوپر قیاس کرکے یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ وہ بغیر کسی معقول دلیل کے یوں ہی جس بات پر دل چاہتا ہے، اجماع کر لیتے ہیں، کیا یہ بات عقل میں آ سکتی ہے کہ تمام صحابہ رض، تمام خلفاء رض، تمام تابعین، تمام ائمہ مجتہدین اور تمام فقہاء و محدثین کسی بے دلیل بات پر اس طرح یک زبان ہو جائیں کہ ان میں سے

کسی ایک کو بھی مدلل اور حق بات کہنے کی توفیق نہ ہو، جبکہ خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمادی ہے کہ میری اُمت کبھی گمراہی پر اتفاق نہیں کرے گی،

جو شخص اسلام کے اِن مایۂ ناز اور قابل فخر فرزندوں کے بارے میں ایسی بدگمانی رکھتا ہو اور اپنی تاریخ کے ان جلیل القدر کرداروں کے متعلق اس قدر احساسِ کمتری کا شکار ہو، آخر اُسے کیا حق ہے کہ وہ اسلامی شریعت کے قوانین پر زبان کھولے اور انہیں جس طرح چاہے توڑ مروڑ کر رکھدے ؟